مولانا ابوالکلام آزادؒ کا تصور حدیث

_______ جناب مہتاب حسین شاہ

حالاتِ زندگی

مولانا آزاد کا اصل نام محی الدین احمد اور تخلص آزاد تھا۔ ۱۸۸۸ء میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۵ء میں جب وہ آٹھ برس کے تھے، اپنے خاندان کے ساتھ ہندوستان آ گئے۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے اپنے والد مولوی خیرالدین سے حاصل کی، جو قادری و نقش بندی سلسلے کے صوفی بزرگ تھے۔ مولانا آزاد بچپن ہی سے مضبوط حافظے کے مالک اور گہرے مطالعے کے شوقین تھے۔ سولہ برس کی عمر میں انھوں نے ماہ نامہ رسالہ 'لسان الصدق' جاری کیا۔ ۱۹۱۲ء میں 'الہلال' اور ۱۹۱۵ء میں اخبار 'البلاغ' نکالا۔ وہ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ انھوں نے بے شمار ادبی، سیاسی، مذہبی اور صحافتی خدمات انجام دیں۔ زندگی کا ایک عرصہ وقتاً فوقتاً قید میں گزرا۔ تقسیم ہند کے بعد ہندوستان کے وزیرِ تعلیم مقرر ہوئے۔ ۲۲/فروری ۱۹۵۸ء کو ان کا انتقال ہوا۔ ان کی متعدد تصانیف میں تذکرہ، قول فیصل، ترجمان القرآن، غبار خاطر، انسانیت موت کے دروازے پر، آزاد کی کہانی (خودنوشت) اور India wins freedom کے علاوہ ان کے خطوط، مقالات اور مضامین کے متعدد مجموعے شامل ہیں۔

انکارِ حدیث کا الزام

بعض حضرات نے مولانا ابوالکلام آزاد پر انکارِ حدیث کا الزام لگایا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ ان کے مضامین اور تحریریں قرآنی آیات اور احادیث سے مزین ہوتی تھیں۔ الہلال اور البلاغ کے صفحات اس کا بیّن ثبوت ہیں۔ اس الزام کی

تردید کرتے ہوئے مولانا عبدالرشید عراقی نے لکھا ہے:

''مولانا کے بارے میں بعض حضرات نے یہ شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ حدیث کے بارے میں آپ کا نظریہ سلف صالحین کے مطابق نہیں تھا۔ یہ صرف ان کے مخالفین کا ایک لایعنی پروپیگنڈہ ہے۔ اگر مولانا کی تصانیف اور خاص کر ان کی تفسیر ترجمان القرآن کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مولانا حدیث کے بارے میں وہی نظریہ رکھتے ہیں جو سلف صالحین کا تھا۔''[۱]

مولانا آزاد کے ایک رفیق مولانا غلام رسول مہر نے بھی اپنی تصنیف 'مولانا ابوالکلام آزاد۔ ایک نادر روزگار شخصیت' میں اس موضوع پر تفصیل سے لکھا ہے۔ انھوں نے اس الزام کا جواب دینے کی کوشش کی ہے:

''مولانا کی پوری حیات دعوت ایسی مثالوں سے معمور ہے۔ یہاں ایسے بزرگوں کی کمی نہیں جن کی زندگیاں علم حدیث پڑھانے میں بسر ہوئیں اور انھوں نے اس وسیع سرزمین میں یہ علم ازسرنو زندہ کیا جو دین کے اہم ماخذ میں سے ہے۔ لیکن نئے تعلیم یافتہ طبقہ میں حدیث کی عظمت و اہمیت پیدا کرنے کا جو اہم کام مولانا نے انجام دیا، اس میں کوئی ان کا شریک وسہیم نہیں۔ الہلال اور البلاغ کی جلدوں میں سیکڑوں مضمون مل جائیں گے جو حدیث کی شرح کے حامل ہیں اور یہ شرح ایسے دل آویز انداز میں کی گئی ہے کہ پڑھتے ہی ہر شخص کے دل میں اتر جاتی ہیں۔ لیکن ناقدر شناس کی عجوبہ گری ملاحظہ ہو کہ اسی شخصیت پر اس سلسلے میں تشکیک کا الزام لگایا جائے۔''[۲]

مولانا عبدالمجید سوہدروی لکھتے ہیں کہ ایک بار ایک مجلس میں حدیث وسنت کے بارے میں استفسار ہوا کہ حدیث وسنت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ مولانا نے جواب دیا:

''آپ پوچھتے ہیں: احادیث کے بارے میرا کیا عقیدہ ہے؟ میں آپ کو کیا جواب دوں؟ یہ سوال آپ اس شخص سے کر رہے ہیں جو اپنی

تحریرات میں نہ صرف حدیث کو حجت اور واجب العمل ثابت کر چکا ہے، بلکہ جس کو اس فہم کی توفیق ملی ہے کہ **ویعلمھم الکتاب والحکمۃ** میں حکمت سے مقصود سنت ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جس کی تمام قلمی جدو جہد یکسر دعوت اتباع کتاب وسنت پر مبنی رہی ہے اور جس کے عقیدہ میں کتاب کا ہر وہ اتباع، اتباع ہی نہیں جو سنت کے اتباع سے خالی ہو۔''[۳]

ذیل میں مولانا آزاد کی تحریروں کی روشنی میں حدیث وسنت کے بارے میں ان کے تصورات پر اظہارِ خیال کیا جائے گا۔

عقائد وایمانیات کے لیے صرف قرآن کافی ہے

مولانا آزاد عقائد وایمانیات کے باب میں قرآن کو کافی سمجھتے تھے، اس وجہ سے کچھ لوگوں کو یہ خیال گزرا کہ وہ حدیث کی حجیت کے قائل نہیں ہیں۔ مولانا ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اگر آپ طالبِ حقیقت ہیں تو ان جھگڑوں میں نہ پڑیے، نہ ان خرافات کے بارے میں سوالات کیجیے۔ ہمیں تلاش نجات کی ہے۔ اگر نجات کے لیے قرآن کامل ہے تو پھر وہ عقائد کافی ہیں جو قرآن نے بتلا دیے ہیں۔ زیادہ کاوش میں پڑیں ہی کیوں؟''[۴]

شورش کاشمیری لکھتے ہیں کہ ۱۹۱۲ء میں الہلال نکلا تو ۸ رستمبر کے اداریہ میں مولانا آزاد نے لکھا:

''ہمارے پاس اگر کچھ ہے تو صرف قرآن ہی ہے۔ اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے۔۔۔۔۔۔ ہر وہ خیال جو قرآن کے سوا اور کسی تعلیم گاہ سے حاصل کیا گیا ہو، کفر صریح ہے۔''[۵]

الہلال میں ہی انھوں نے لکھا ہے:

''ہمارا عقیدہ ہے کہ جو مسلمان کسی عمل واعتقاد کے لیے بھی اس کتاب کے سوا کسی دوسری جماعت یا تعلیم کو اپنا راہ نما بنائے وہ مسلم نہیں، بلکہ شرک فی الصفات کی طرح شرک فی صفات القرآن کا مجرم ہے اور اس

لیے مشرک ہے۔"[۶]

ایک اور جگہ رقم طراز ہیں:

"میں اعتقاداً توحید و رسالت اور عمل صالح کو نجات کے لیے کافی سمجھتا ہوں، اس کے سوا مجھے اور کچھ معلوم نہیں۔ قرآن کریم مسلمانوں کا حقیقی امام ہے۔ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ۔"[۷]

مولانا آزاد کے دو خطوط سید فضل شاہ کے نام 'زمیندار لاہور' مؤرخہ ۵/ جون ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئے، جن میں نزول مسیحؑ کے متعلق سوال پر انھوں نے اس کا انکار کیا اور لکھا کہ کسی نئے ظہور پر ایمان قرآن سے ثابت نہیں اور جو عقیدہ قرآن میں نہیں، وہ شرطِ ایمان نہیں۔

افضل حق قرشی مولانا کے ایک خط کا ذکر کرتے ہیں، جس میں مولانا نے لکھا تھا:

۱۔ اس تیرہ سو برس میں، جو اسلام پر گزر چکے ہیں، کسی اسلامی فرقہ کا یہ عقیدہ نہیں رہا کہ اسلامی عقائد و اعمال کی تعلیم میں قرآن کافی نہیں اور احادیث اس بارے میں کوئی مزید بات بتلاتی ہیں۔ البتہ احادیث سے قرآن کی شرح و تفسیر کا کام لیا جاتا ہے، نیز ظہورِ اسلام کے عہد کی تاریخ معلوم کرنے کا۔

۲۔ مسلمانوں میں کسی فرقہ کا یہ اعتقاد نہیں رہا کہ احادیث یکسر غلط ہیں۔ البتہ حال میں بعض اشخاص نے اس قسم کے خیالات ظاہر کیے ہیں۔ ان افراد کے خیالات کو کسی فرقہ سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ اگر ایک انسان طالبِ حق ہے تو اسے چاہیے کہ قرآن کا مطالعہ کرے۔ جو انسان ان عقائد و اعمال کا پابند ہو جائے، جو قرآن نے بتلائے ہیں وہ مسلم، مومن، نجات یافتہ انسان ہے، اگرچہ اس نے حدیث کی کوئی کتاب نہ دیکھی ہو، یا ساری عمر میں ایک حدیث بھی نہ سنی ہو۔"[۸]

سیرت کا مآخذ قرآن کریم ہے

قرآن کریم میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس کو عملی جامہ پہنایا جائے تو وہ

رسول کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ بن جاتی ہے۔قرآن وہ اولین مآخذ ہے جس سے سیرتِ نبوی کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔سیرتِ مطہرہ کے بیش تر واقعات پر قرآن مجید نے گفتگو کی ہے۔چوں کہ قرآن اس روئے زمین پر سب سے معتمد کتاب ہے۔اگرچہ حالات نبوی تفصیلاً ذکر نہیں کیے گئے، بلکہ اجمال سے کام لیا گیا ہے، لیکن یہ کتاب سیرتِ نبوی کا اولین اور معتمد ترین مآخذ سمجھی جائے گی۔

مولانا آزاد قرآن سے سیرت مطہرہ کے اخذ و استنباط کے لیے کوشاں تھے اور حیران تھے کہ قدما نے اس جانب توجہ کیوں نہ دی؟ جب کہ محفوظ، لاریب اور مستند ترین ذریعہ کلامِ الٰہی ہے۔فرماتے ہیں:

> ''اگر تاریخ شریعت کے تمام وسائل معدوم ہو جائیں اور روایت و حکایت کے تمام صحائف سے قطع نظر کر لیا جائے، جب بھی صاحبِ شریعت کے وجود و سیرت کی تاریخی حقیقت اُسی طرح روشن و بین باقی رہے گی، جس طرح تاریخ و روایت کے دفاتر میں ہے اور اگر دنیا چاہے تو اس کی پوری سوانح عمری اور تاریخ حیات صرف ایک کتاب اللہ کی لوحِ محفوظ اور کتاب قیم ہی سے بلا ایک نقطہ کی فروگذاشت کے مرتب کر لے۔''۹؎

'تذکرہ' میں لکھتے ہیں:

> ''نہ صرف اس عہد میں، بلکہ جب تک دنیا باقی ہے، صاحب قرآن کی سیرت و حیات مقدس کے مطالعے سے بڑھ کر نوع انسانی کے تمام امراض قلوب و علل ارواح کا کوئی اور علاج نہیں۔اسلام کا دائمی معجزہ اور ہمیشگی کی حجۃ اللہ البالغہ قرآن کے بعد اگر کوئی چیز ہے تو وہ صاحب قرآن کی سیرت ہے اور دراصل قرآن اور حیات نبوت معناً ایک ہی ہیں۔قرآن متن ہے اور سیرت اس کی شرح۔قرآن علم ہے اور سیرت اس کا عمل۔قرآن صفحات و قراطیس **ما بین الدفتین** اور **صدور الذین اوتوا العلم** میں ہے اور یہ ایک مجسّم و ممثّل قرآن تھا جو یثرب کی سرزمین میں چلتا پھرتا نظر آتا تھا۔ **کما قالت الصدیقۃ رضی اللہ عنہا:** **و کان خلقہ القرآن۔**''۱۰؎

سیرت کے ذخیرے میں اس نوع کی کچھ کتابیں ملتی ہیں، جیسے ماضی قریب میں مولانا عبدالشکور لکھنویؒ اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے قرآنی سیرتِ نبویہ پر بہت اچھا کام کیا ہے۔اس کے علاوہ علامہ عنایت اللہ مشرقی کی کتاب 'تکملہ' اور غلام احمد پرویز کی کتاب 'معراجِ انسانیت' بھی قرآنی سیرتِ نبوی کے سلسلہ کی اپنی سی کوشش ہے۔

مولانا آزادؒ نے علامہ شبلی نعمانیؒ کو مشورہ دیا تھا کہ قرآن کی روشنی میں سیرت پر لکھیں۔اس کا عنوان ہو 'قرآن اور سیرتِ محمدیہ' اور اس میں صرف آیاتِ قرآنیہ کو بہ ربط وترتیب جمع کر کے دکھلایا جائے۔قرآن مجید سے کس طرح سیرتِ نبوی مستنبط کی جاسکتی ہے؟اس پر مولانا آزاد نے ان الفاظ میں اظہارِ خیال کیا ہے:

> ''قرآن دنیا کی واحد کتاب ہے جو ہر سوال کا جواب دیتی ہے کہ اِس کا لانے والا کون تھا؟ کیسے زمانے میں آیا؟ کس ملک میں پیدا ہوا؟ اس کے خویش ویگانہ کیسے تھے؟ قوم ومرز بوم کا کیا حال تھا؟اس نے کیسی زندگی بسر کی؟ اس نے دنیا کے ساتھ کیا کیا اور دنیا نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ اُس کی باہر کی زندگی کیسی تھی اور گھر کی معاشرت کا کیا حال تھا؟ اس کے دن کیسے بسر ہوتے تھے اور راتیں کن کاموں میں کٹتی تھیں؟ اس نے کتنی عمر پائی؟ کون کون سے اہم واقعات اور حوادث پیش آئے؟ پھر جب دنیا سے جانے کا وقت آیا تو دنیا اور دنیا والوں کو کس عالم میں چھوڑ گیا؟ اِس دنیا پر جب پہلی نظر ڈالی تھی تو دنیا کا کیا حال تھا؟ اور جب واپس نظرِ وداع ڈالی تو وہ کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی تھی؟ غرض ایک وجود، مقاصدِ وجود اور اعلام صداقت وعظمت کے لیے اس کے وقائع میں جن جن باتوں کی ضرورت ہوسکتی ہے، وہ سب کچھ قرآن ہی کی زبانی دنیا معلوم کرسکتی ہے۔''۱۱

مولانا ابوالکلام آزاد قرآن سے ماخوذ سیرت نگاری سے اسلاف کی عدم توجہی پر متعجب ہیں اور قرآنی سیرت اور روایتی سیرت کا فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''انسانوں کی دی ہوئی ساری سیرتیں اور تاریخیں ایک طرف اور خود لسانِ الٰہی کا ایک کلمہ منطوقہ ومحفوظہ ایک طرف۔تعجب ہے کہ اصحابِ سیر نے باوجود سعی ونظر اور مشغولیت بہ جمیع طرق وترتیباتِ سیرت اس

طرف کیوں توجہ نہ کی؟'' ۱۲؎

عبادات و معاشرت کے لیے سُنت کی حجیت

رسول اکرم ﷺ معلّم کتاب وحکمت ہیں۔ امت کے معاملات اور قضیوں میں آپ کی حیثیت حکم کی ہے۔ آپؐ کی ذات قدسی صفات میں ہر مومن کے لیے اسوۂ حسنہ ہے اور آپؐ کی اتباع سب پر فرض ہے تو کسی مسلمان کے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ آپؐ کی سیرت اور سنتِ مطہرہ سے بے اعتنائی برتے یا اسے نہ مانے۔ مولانا آزاد یقینیات وعقائد کی بنیاد واصل صرف قرآن کو مانتے تھے، لیکن عبادات کے لیے سنت کو لازمی قرار دیتے تھے۔ انھوں نے لکھا ہے:

> ''اصل مرکز حق ویقین کتاب وسنت ہے۔ یہ مرکز اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتا، سب کو اس کی خاطر اپنی جگہ سے ہل جانا پڑے گا۔ اس چوکھٹ کو کسی کی خاطر نہیں چھوڑا جا سکتا، سب کی چوکھٹیں اس کی خاطر چھوڑ دینی پڑیں گی۔'' ۱۳؎

وہ کہتے ہیں کہ ہر مسلمان کو قرآن وسنت کے فیصلے کے آگے جھک جانا چاہیے اور اس سے فرار کے بہانے تلاش نہیں کرنے چاہییں:

> ''جب قرآن وسنت کا کوئی فیصلہ مسلمانوں کے سامنے آجائے تو انہیں فوراً **سمعنا واطعنا** کہہ کر اس کے آگے جھک جانا چاہیے اور سارے حیلوں اور حجتوں کا خاتمہ ہو جانا چاہیے۔'' ۱۴؎

وہ کہتے ہیں کہ کتاب الٰہی کے ساتھ نبی کا عملی نمونہ شریعت کا ایک لازمی جزو ہے:

> '' اللہ نے ہدایتِ خلق کے لیے صرف کتابوں اور شریعتوں ہی کو نہیں بھیجا، بلکہ اس کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام کا عملی نمونہ بھی دکھلایا۔'' ۱۵؎

> ''سعادت وہدایت انسانی کے لیے تعلیم کے ساتھ نمونہ اور کتاب کے ساتھ سنت ایک ضروری حقیقت ہے۔'' ۱۶؎

احادیث کی حیثیت تاریخی ہے نہ کہ قانونی

مولانا آزاد احادیث کو دینی علوم ومعارف کا ذخیرہ مانتے ہیں۔ لیکن وہ انھیں

وحی کا درجہ نہیں دیتے اور اس کی قانونی حیثیت تسلیم نہیں کرتے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''حدیث صحیح عبادات میں تو حجت ہے۔ اخلاق و معاشرت کے سلسلے کی احادیث ایسی ہیں کہ ساری دنیا کا لٹریچر ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا، اگرچہ حدیث انسانی سوسائٹی کے لیے قانون کا سوتا نہیں ہوسکتی، عالم گیر ہدایت کا ضامن قرآن ہے۔''۱۷؎

مزید لکھتے ہیں:

> ''پیغمبرِ اسلام تیئس (۲۳) برس تک دعوت اسلام میں مشغول رہے۔ ان کی اس مبارک زندگی کے تمام اقوال و اعمال راویوں نے محفوظ رکھنا چاہے اور ان کے ذخیرے مدون ہوگئے۔ یہ تدوینات اسلام کے دینی علوم و معارف کا ذخیرہ ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دینی و علمی حیثیت سے ان کی جگہ کیا ہے؟ کیا یہ یک قلم لائق اعتبار نہیں؟ کیا ان میں اور قرآن میں تضاد ہے؟ اس سوال کے جواب میں کہا گیا کہ ایسا نہیں ہے۔ احادیث اپنی جگہ رکھتی ہیں اور اس جگہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن حکم تھا اور پیغمبرِ اسلام اس کی مجسم تعمیل تھے۔ پس ان کے تمام اعمال و ارشادات قرآن سے الگ کوئی چیز نہیں ہیں، اس کی نمائش ہیں یا اس کے اجمال کی تفصیل ہے۔''۱۸؎

احادیث کو عہد نبوی ﷺ کی معتبر اور مستند تاریخ سمجھنے میں مولانا آزاد اکیلے نہیں ہیں، بلکہ بعض اور بھی اہل علم کی یہ رائے ہے۔ مثال کے طور پر مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:

> ''فن حدیث کے سب سے بڑے امام، امام الائمہ حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کا جو نام رکھا ہے اگر اسی پر غور کرلیا جائے تو آسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ سمجھنے والوں نے ہمیشہ اس فن کو اسی نگاہ سے دیکھا ہے۔ امام بخاریؒ کی کتاب آج تو صرف بخاری شریف کے نام سے مشہور ہے، لیکن یہ اس کتاب کا نام نہیں ہے، بلکہ خود حضرت امام نے اپنی کتاب کا نام: 'الجامع

الصحيح المسند المختصر من آمور رسول الله وسننه وآيامه ' رکھا ہے۔ اس میں امور اور ایام کے الفاظ قابل غور ہیں، جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی صحیح تعریف امام بخاری کے نزدیک ان تمام امور کو حاوی ہے جن کا کسی نہ کسی حیثیت سے آں حضرت ﷺ سے تعلق ہو۔ آگے ایام کے لفظ نے تو اس تعریف کو اور بھی وسیع کر دیا ہے۔ یعنی وہی بات جو میں نے عرض کی تھی کہ فن حدیث دراصل اس عہد اور زمانہ کی تاریخ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ جیسی ہمہ گیر، تمام عالم پر اثر انداز ہونے والی ہستی، انسانیت کو قدرت کی جانب سے عطا ہوئی۔ بہر کیف اگر اسطلاحی جھگڑوں سے الگ ہو کر پھل سے درخت کو پہچاننے کے اصول کو مدنظر رکھا جائے تو حدیث کے موجودہ ذخیرہ پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد بھی ایک معمولی آدمی اس کا اندازہ کر سکتا ہے کہ حدیث کی صحیح حقیقت اور اس کی تعریف وہی ہو سکتی ہے جس کی طرف امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کے نام میں ارشاد فرمایا ہے۔'' ۱۹ ؎

قبولِ حدیث کا درایتی معیار

حدیث کو پرکھنے کا پہلا معیار روایتی ہے، جس میں اصل بحث راوی کی شخصیت، سند کے اتصال، روایت کے طریقوں اور اس کی مختلف سندوں سے ہوتی ہے، جب کہ دوسرا معیار متن کو جانچنے کا ہے، جو درایت کہلاتا ہے۔ اس میں مذکورہ امور سے ہٹ کر دیگر عقلی قرائن کی روشنی میں متنِ روایت کی صحت و استناد کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ گویا درایت سے مراد ایسے قرائن کا علم اور اطلاق ہے جن کا لحاظ رکھنا، قرآن، عقلِ عام اور روزمرہ انسانی تجربات و مشاہدات کی روشنی میں، کسی بھی خبر کا مقام متعین کرنے کے لیے ضروری ہے۔ درایت کی بنیاد پر نبی کریم ﷺ سے نقل کردہ روایات کو جانچنے کے طریقے کی ابتدا صحابۂ کرام ہی کے عہد میں ہو چکی تھی۔ ان کے ہاں قبولِ روایت کی شرائط میں سے ایک بنیادی شرط یہ تھی کہ وہ کتاب اللہ اور اصولِ شرع کے خلاف نہ ہو۔ چنانچہ اگر کوئی ایسی روایت ان کے سامنے آتی جو ان کے علم و فہم کے مطابق کتاب اللہ یا

سنت سے ٹکراتی تو وہ اسے راوی کی کم فہمی پر محمول کرتے تھے۔مولانا آزاد درایتی اصول کو اہمیت دیتے ہیں اوراس کے متعلق فرماتے ہیں:

''البتہ اس بارے میں افراط وتفریط نہیں ہونی چاہیے۔جو حدیث روایت ودرایت کے لحاظ سے مقبول ہو،قبول کرنی چاہیے۔جو اس معیار پر پوری نہ اترے، رد کر دینی چاہیے۔نیز یہ کہ ہر حال میں ردوقبول کا معیار قرآن ہے۔کوئی روایت جو اس سے معارض ہوگی کسی حال میں قبول نہیں کی جاسکتی۔اگر چہ اس کی اسناد کتنی عمدہ مان لی گئی ہوں۔''۲۰؎

درایت کا بنیادی اصول۔حدیث کو قرآن کی روشنی میں پرکھنا

مولانا آزاد کے نزدیک اصل کسوٹی، فرقان اور میزان صرف اللہ کی کتاب ہے۔قرآن کی مخالفت کرنے والی صحیح ترین روایت بھی جھٹلانی پڑے گی، کیوں کہ وہ صحیح ہو ہی نہیں سکتی۔وہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''پس ایک روایت پر صحت کی کتنی ہی مہریں لگ چکی ہوں، لیکن بہرحال غیر معصوم انسانوں کی ایک شہادت اور غیر معصوم ناقدوں کا ایک فیصلہ ہے۔ ایسا فیصلہ ہر بات کے لیے مفید حجت ہوسکتا ہے، مگر یقینیات وقطعیات کے خلاف نہیں ہوسکتا۔جب کبھی ایسا ہوگا کہ کسی راوی کی شہادت یقینیات سے معارض ہوجائے گی تو یقینیات اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گی،غیر معصوم کو اپنی جگہ چھوڑنی پڑے گی۔''۲۱؎

مزید لکھتے ہیں:

''لیکن یہ جو کچھ ہے ان کی صحت کا اعتقاد ہے، یعنی ایسی صحت کا جیسی اور جس درجہ کی صحت ایک غیر معصوم انسان کے اختیارات کی ہوسکتی ہے،عصمت کا اعتقاد نہیں ہے۔اس لیے اگر کوئی روایتِ شاذ یقینیات قطعیہ قرآنیہ سے معارض ہوجائے گی تو ہم ایک لمحہ کے لیے بھی اس کی تضعیف میں تامل نہیں کریں گے۔ کیوں کہ اصل ہر حال میں قرآن ہے،جس کا تواتر یقینی اور جس کی قطعیت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ ہر انسانی شہادت اس پر کسی جائے گی۔''۲۲؎

قرآن کو روایات کے تابع کرنا غلط ہے

مولانا آزاد کہتے ہیں کہ اب یہ روش عام ہوگئی ہے کہ روایات کو قران کی روشنی میں دیکھنے کے بجائے روایات کو قرآن پر حاکم و قاضی بنایا جاتا ہے اور قرآن کے مطالب کو روایات کے تابع کیا جاتا ہے۔ان کے نزدیک روایات کی کیا حیثیت ہے؟ اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے بہ خوبی کیا جاسکتا ہے:

> ''روایات کی قسموں میں سے کتنی ہی بہتر قسم کی کوئی روایت ہو، بہرحال ایک غیر معصوم راوی کی شہادت سے زیادہ نہیں اور غیر معصوم کی شہادت ایک لمحہ کے لیے بھی یقینیات دینیہ کے مقابلہ میں تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ ہمیں مان لینا پڑے گا کہ یہ اللہ کے رسول کا قول نہیں ہوسکتا۔ یقینا یہاں راویوں سے غلطی ہوئی ہے اور ایسا مان لینے سے نہ تو آسمان پھٹ پڑے گا اور نہ زمین شق ہوجائے گی۔''۲۳؎

معصوم انبیاء کی عصمت و صداقت کو غیر معصوم راویوں کی سنی سنائی پر قربان نہیں کرنا چاہیے۔مولانا آزاد کا خیال ہے کہ حاملین وحی معصوم ہیں، لیکن راوی ہرگز معصوم نہیں ہیں۔ان کی روایات پر معصوم انبیاء کی عصمت قربان نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ وہ ترجمان القرآن میں لکھتے ہیں:

> ''پس کہیں یہ قیامت نہ ٹوٹ پڑے کہ اس کے غیر معصوم راویوں کی روایت کم زور مان لینی پڑے۔ گویا اصل اس باب میں غیر معصوم راویوں کا تحفظ ہے، نہ کہ معصوم رسولوں کا اور اگر قرآن میں اور کسی روایت میں اختلاف واقع ہوجائے تو قرآن کو روایت کے مطابق بننا پڑے گا۔راوی کی شہادت اپنی جگہ سے کبھی نہیں ہل سکتی۔اب غور کرو، یہاں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ خود قرآن کے صاف صاف لفظوں میں کیا ہے؟''۲۴؎

ایک جگہ وہ صحیح بخاری و صحیح مسلم پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''بلاشبہ روایت صحیحین کی ہے، لیکن اس تیرہ سو برس کے اندر کسی

مسلمان نے بھی راویان حدیث کی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا ہے، نہ امام بخاری وامام مسلم کو معصوم تسلیم کیا ہے۔ کسی روایت کے لیے بڑی سے بڑی بات جو کہی گئی ہے وہ اس کی صحت ہے، عصمت نہیں ہے اور صحت سے مقصود صحت مصطلحہ فن ہے، نہ کہ صحت قطعی ویقینی مثل صحت قرآن۔''۲۵؎

نیک نیتی سے روایات سازی اور اس کا نقصان

بہت سے واعظوں اور صوفیوں نے نیکی کی طرف رغبت دلانے اور برائی سے روکنے کے لیے روایتیں گھڑیں۔ مولانا آزاد نے اس رویے پر سخت تنقید کی ہے۔ کہتے ہیں:

''فن روایت کی گہرائیوں کا کچھ عجیب حال ہے۔ نیک سے نیک انسان بھی بعض اوقات جعل وضاعت کے تقاضوں سے اپنی نگرانی نہیں کر سکتے۔ وہ اس دھوکے میں پڑ جاتے ہیں کہ اگر کسی نیک مقصد کے لیے ایک مصلحت آمیز جعلی روایت گھڑ لی جائے تو کوئی برائی کی بات نہیں۔ تاریخ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں جن لوگوں نے بے شمار جھوٹی حدیثیں بنائیں، ان میں ایک گروہ دین دار واعظوں، مقدّس زاہدوں کا بھی تھا۔ وہ خیال کرتے تھے کہ لوگوں میں دین داری اور نیک عملی کا شوق پیدا کرنے کے لیے جھوٹی حدیثیں گھڑ کر بنانا کوئی برائی کی بات نہیں۔''۲۶؎

روایات کی روشنی میں قرآن کی تفسیر کرنا درست نہیں

قرآن لاریب اور محفوظ کتاب ہے۔ اسے سیاق وسباق کے تحت اور تصریف آیات کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کے بجائے اگر قرآن کی تفسیر روایات کی روشنی میں کی جائے گی تو بہت کچھ محذوف مان کر قرآنی مدعا سے انحراف ہوسکتا ہے۔ کذبات ثلاثۃ والی روایت کے ضمن میں مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''چوں کہ ہمارے مفسروں کے سامنے ایک روایت موجود تھی اور اس کی تعمیل میں ضروری سمجھتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح جھوٹ کی بات بن جائے اس لیے انہوں نے کوشش کی کہ جو بات قرآن میں نہیں ہے

وہ محذوف بنا کر بڑھا دی جائے۔ چنانچہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے قول (تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ) کو سلسلۂ بیان سے الگ کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بات انہوں نے مخاطبوں سے نہیں کہی تھی، اپنے جی میں کہی تھی، یعنی ان کا اعلان نہ تھا۔ جی ہی جی میں ایک سازش سوچی تھی، لیکن یہ محض رائے سے قرآن کے مطالب میں اضافہ کرنا ہے۔ قرآن میں یہ کہیں نہیں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے جی میں کہا تھا۔ وہ تو صاف صاف کہہ رہا ہے کہ موقع مخاطبہ اور مکالمہ کا تھا اور جب پجاریوں نے یہ بات کہی کہ (اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ) تو اس کے جواب میں حضرت ابراہیمؑ نے اعلان کیا۔ علاوہ بریں اس طرح کے محذوفات جبھی تسلیم کیے جاسکتے ہیں جب کہ کوئی قطعی قرینہ موجود ہو۔ یہاں بجز اس ضرورت کے کہ حضرت ابراہیمؑ کو کذب گو بنایا جائے اور کون سی ضرورت لاحق ہوگئی ہے کہ یہ محذوف گھڑ لیا گیا؟'' ۲۷؎

حواشی و مراجع

۱۔ عبدالرشید عراقی، تذکار آزاد، نشریات، اردو بازار لاہور، ص ۱۵۴

۲۔ مہر، غلام رسول، مولانا ابوالکلام آزاد ایک نادر روزگار شخصیت، سنز لاہور، بار اول ۱۹۹۴ء، ص ۲۴۲۔ ۲۴۳

۳۔ سوہدروی، عبدالمجید خام، سیرت آزاد، مسلم پبلیکیشنز گوجرانوالا، ص ۵۶۔ ۵۷

۴۔ مہر، غلام رسول، تبرکات آزاد، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، بار دوم ۲۰۱۳ء، ص ۱۵۹

۵۔ شورش کاشمیری ابوالکلام آزاد سوانح و افکار، مطبوعات چٹان لاہور ص ۳۰

۶۔ آزاد، مولانا ابوالکلام، الہلال کلکتہ، ج ۱ ش ۹، ص ۷

۷۔ شورش کاشمیری ابوالکلام آزاد سوانح و افکار، ص ۶۲

۸۔ افضل حق قرشی، ابوالکلام آزاد ادبی و شخصی مطالعہ، الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور، بار اول ۱۹۹۲ء، ص ۲۷۵

۹۔ ابوسلمان شاہجہاں پوری، فیضان ابوالکلام آزاد، خدابخش اورینٹل لائبریری پٹنہ، ص ۱۴۲

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۳۴

۱۱۔ مہر، غلام رسول (مقالات سیرت مولانا آزاد کا مجموعہ)، رسول رحمت، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ص ۲۰

۱۲۔ ایضاً،ص ۲۳

۱۳۔ آزاد، مولانا ابوالکلام، تذکرہ، داتا پبلشرز لاہور، بار اول، طبع، ۱۹۸۱ء، ۵۰

۱۴۔ آزاد، مولانا ابوالکلام، ترجمان القرآن، جلد سوم، اسلامی اکادمی لاہور، ص ۱۰۰

۱۵۔ ابوسلمان شاہجہاں پوری، فیضان ابوالکلام آزاد، ص ۱۳۳ ۱۶۔ ایضاً، ص ۱۳۴

۱۷۔ ملیح آبادی، ، عبدالرزاق، ذکر آزاد، مکتبہ جمال لاہور، سن اشاعت ۲۰۰۶ء، ص ۲۳۳

۱۸۔ عتیق صدیقی، افکار آزاد، مولانا آزاد سیمینار جامعہ نگرنئی دہلی، ۱۹۶۹ء، ص ۸۵

۱۹۔ مناظر احسن گیلانی، تاریخ تدوین حدیث، المیزان اردو بازار لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۳۸۳

۲۰۔ عتیق صدیقی، افکار آزاد، مولانا آزاد سیمینار جامعہ نگرنئی دہلی، سن اشاعت ۱۹۶۹ء، ص ۸۵

۲۱۔ آزاد، مولانا ابوالکلام، ترجمان القرآن، جلد دوم، ص ۲۸۰–۲۸۱

۲۲۔ ایضاً ۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ ایضاً ۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ آزاد، ابوالکلام، غبار خاطر، ساہتیہ اکیڈمی دہلی، ۱۹۹۱ء، ص ۱۳۶

۲۷۔ آزاد، مولانا ابوالکلام، ترجمان القرآن، جلد دوم، ص ۲۸۰–۲۸۱

توحید اور قیامِ عدل

مولانا محمد جرجیس کریمی

عقیدۂ توحید اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے، جس پر ایمان لانے سے انسانی زندگی میں نظم، توازن اور اعتدال پیدا ہوتا ہے اور اس پر ایمان نہ لانے سے وہ بد نظمی، بے اعتدالی اور فساد کا شکار ہو جاتی ہے۔

پیش نظر کتاب چار مباحث پر مشتمل ہے، جن میں عقیدۂ توحید کی وضاحت کی گئی ہے، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اعتدال و توازن کے اثرات بیان کیے گئے ہیں، نیز عقیدۂ توحید سے محرومی اور شرک و الحاد میں آلودگی کے نقصانات اور افکار و خیالات پر پڑنے والے اثرات کا عالمانہ جائزہ لیا گیا ہے۔

صفحات: ۹۲　　قیمت: ۵۰؍روپے